# اقبال کا فلسفہ تاریخ

## *The Philosophy of History as Envisoned by Allama Iqbal*

ڈاکٹر فرح گل بقائی*

## Abstract

*Iqbal is considered a great poet and philosopher of East. Very few pondered on his flair with history. He like Ibn Khaldun strongly believed that Allah in Quran has addressed to mankind by narrating them stories of people in past, how they lived their lives, what benefits or punishment was given to them because of their good or bad acts. Stories have great impact on human mind. Children behaviour is usually mended by narrating them stories. In stories there is always a lesson for everyone. The main objective was that man should strive to improve himself or herself mentally and spiritually and should be an useful person in one community.*

*The purpose of this paper is to highlight the importance of history as a discipline. The importance of historian the difference between historian and a narrator. Historian covers the background of an event or an happening as far back in time as is possible. Narrator or reporter simply explains an event or happening. The narrator reputation must be verified. If a person is known as dishonest than whatever he/she reports should not be given any importance. Unless and until it is not verified from a genuine sources.*

---

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد

*Allama Muhammad Iqbal in his book "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" has dealt in detail the importance of history and its correct narration. He has discussed European and Eastern philosophers with emphasis on Quranic teachings.*

## تلخیص

اقبال کو جہاں فلسفہ سے دلچسپی تھی وہاں تاریخ سے بھی خاصا لگاؤ تھا۔ انہوں نے ۱۹۱۳ء میں اسکول کے نصاب کے لیے تاریخ پر ایک کتاب بھی تحریر کی جس کا عنوان تھا تاریخ ہند۔ اس کتاب کا مقصد قوموں کے عروج اور زوال کا احاطہ کرنا تھا اور ان عوامل کی نشاندہی کرنی تھی جو قوم کے زوال کاموًجب بنتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے ہندوستان میں مختلف حکومتوں کے عروج و زوال کے محرکات کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔ اقبال عمیق گہرائی سے مسلمانوں کی ثقافت اور معاشرتی زندگی پر نظر رکھتے تھے۔ جس کا اظہار وہ نظم و نثر کی صورت میں کرتے رہتے تھے۔۱

اقبال کی تاریخ مطالعہ کا نچوڑ یہ ہے کہ قومیں وہی دنیا میں زندہ رہتی ہیں جو خود دار ہوں۔ معاشی، معاشرتی لحاظ سے خودکفیل ہوں۔ جو اعلیٰ اوصاف کے لیے ہمہ وقت مصروف عمل ہوں۔

اقبال کے نظریہ تاریخ سے تقدیر امم پر روشنی پڑتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سی قوم ہو گی جو نظریات کی جنگ میں سلامت رہے گی اور وہ کون سی قوم ہو گی جو اس جنگ میں مٹ کر فنا ہو جائیں گی اگر کوئی اقبال سے استفسار کرے کہ انہوں نے اس نےعمل تاریخ کی منزل مقصود کا نظریہ کہاں سے لیا ہے تو وہ فرما چکے کہ یہ نظریہ قرآن میں موجود ہے۔

علامہ اقبال کا تصور تاریخ ان کے فلسفہ خودی کے ساتھ منسلک ہے۔۲

اقبال کی مورخانہ ذہنیت اور ذرائع حقیقت بنی کو نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے اس کے بعد اقبال کی پیش گوئیاں کا منظر دکھایا گیا ہے اور آخر میں اقبال کی پیش گوئی کی انوکھی

خصوصیت عزم بالعزم بتائی گئی ہے۔

علامہ اقبال ایک قوم کی روحانی صحت پیشتر الہام کی نوعیت پر منحصر ہے۔ جو اس کے صناع و شاعر حاصل کرتے ہیں۔ لیکن الہام کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تو ایک عطیہ ہے جس کے حصول سے پہلے صناع و شاعر کو اس کی نوعیت کے امتحان و تنقید کا موقع میسر نہیں ہوتا۔ یہ بغیر دعوت آتا ہے بغرض مجالست اس سبب سے محصول کی شخصیت و وصفِ حیات یہ دونوں نہایت اہم ہیں۔

## تاریخ و مؤرخ

سر زنداز ماضی تو حال تو   خیز داز حال تو استقبال تو
مشکن از بچہ واہی حیات زوال   رشتہ ماضی زا استقبال و حال

مغرب نے آج فلسفہ تاریخ کو ایک علم تسلیم کیا ہے ابن خلدون نے صدہا سال قبل اس علم پر نہایت دقیق بحث کی ہے۔ لیکن ابن خلدون سے بھی پہلے قرآن نے اس کو علم نہیں بلکہ مخزن علم قرار دیا۔ علامہ اقبال نے مخزن یا سرچشمہ علم کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ انفس و آفاق و تاریخ۔ آپ کا خیال ہے کہ از روئے قرآن انہیں سے علوم حقیقی حاصل کیے جا سکتے ہیں لیکن اگر آپ بغور دیکھیں گے تو اس تقسیم کی ضرورت نہیں رہتی جب ہم تاریخ کو سب پر حاوی پاتے ہیں۔

مستقبلیت اور مستقبل شناسی کے ضمن میں جو رویے غیر مسلمان مفکرین نے تشکیل دیے ہیں وہ تو براہ راست اقبال سے مستعار ہیں۔ لیکن انہوں نے مستقبل شناسی کی بنیادیں روحانی نظام پر استوار کرنے کی بجائے اقتصادی قدروں پر اٹھا دیں تھیں۔۳

تاریخ انسانی زندگی کی بنیادی اکائی ہے نہ کہ محض ایک حصہ۔ یہ انسانی زندگی کے تمام تر معاشرتی، معاشی، سیاسی، سماجی، تہذیبی اور مذہبی حوالوں کو محیط کرتی ہے۔ تاریخ محض واقعاتی تسلسل کا نام ہے۔ تاریخ خود اپنے مستقل قوانین رکھتی ہے۔ جن میں سب سے بڑا اور بنیادی قانون مکافات عمل کا ہے۔ یعنی اجتماعی اعمال کے نتائج خواہ وہ برے ہوں یا

اچھے اپنے مقرر وقت پر ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔ جس طرح فطرت مادی میں حفظ توانائی اور حرکت کے قانون کے مطابق کوئی شے یا ذرا سی حرکت ضائع نہیں ہوتی اسی طرح فطرت اجتماعی اور عالم روحانی میں انسان کا کوئی اچھا یا برا عمل، بے اثر و بے نتیجہ نہیں رہتا ہے۔ بلکہ ہر عمل کا نتیجہ ایک خاص وقت پر ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ فطرت میں کہیں ضیاع نہیں۔ قرآن جس طرح بداعمالی کے نتائج سے ڈراتا اور یہ یقین دلاتا ہے کہ بدی کے نتائج سے بچنا محال ہے اسی طرح یہ بھی دعوی ہے کہ نیک اعمال اور اعلیٰ اجتماعی کردار بھی بے نتیجہ نہیں ہو سکتا اور کوئی اچھی قوم اپنی صالح جدوجہد کے عمدہ نتائج سے محروم نہیں رہے گی۔۴

قرآن کریم میں نماز قائم کرنے کے بعد جس عمل کا سب سے زیادہ حکم ہے وہ تسخیر کائنات ہے۔ اگر تسخیر کائنات کے تمام تر اسباب و عوامل کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ اس کا مطالعہ تاریخ اور تصور کی اہمیت کو سمجھے بغیر ممکن نہیں ہو گا۔۵

اقبال رات دن کی تبدیلی کو تاریخ نہیں سمجھتے۔

بیسویں صدی میں تاریخ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے اور اب معاشرہ کا ہر پہلو اس کے اندر آ گیا ہے اس میں کھیل، موسیقی، رقص، حکومت اور ریاستی ادارے اور سائنسی و سماجی علوم یہ سب تاریخ کے موضوعات ہیں۔

تاریخ نے عوام کا شعور بیدار کر دیا، وہ جنگیں جن میں وہ خون بہاتے تھے۔ وہ ان کے مفادات میں نہیں تھیں بلکہ حکمران طبقوں کے مفادات کے لیے تھیں جن کھیتوں میں وہ کام کرتے تھے اور جن کانوں سے وہ معدنیات نکالتے تھے اس کا صلہ انہیں نہیں حکمرانوں کو ملتا تھا۔ اس لیے انہوں نے تاریخ سے مسلسل سیکھا ہے اور اس شعور کی مدد سے وہ تاریخ میں اپنا مقام متعین کر رہے ہیں اور اس تاریخ شعور کو پیدا کرنے میں ترقی پسند مورخوں کا بڑا اہم کردار ہے کہ جنہوں نے تاریخ نویسی کے ذریعے تاریخ کے نظریات کو مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔۶ بقول علامہ اقبال

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر گوشہ گندم کو جلا دو

علامہ اقبال ہمیشہ اپنے والد کے اس فرمان کے زیر اثر نظر آتے تھے کہ جب قرآن کی تلاوت کرو تو اس طرح کرو گویا آپ پر اترا ہے چونکہ اقبال پسماندہ معاشرے کو ترقی کی طرف گامزن کرنا چاہتے تھے اس لیے ضروری ہے کہ اس دعوت کلی کی بنیاد اعتقادی اصولوں پر ہو۔ اقبال اس امر کے قائل ہیں کہ مسلمان فقط قاری نہ ہو بلکہ زیادہ بہتر تو یہ ناخواندہ قاری کی سطح سے بلند ہو کر قرآن مجید کے معنی پیغام تلقین تعلیم و تصور پر مبنی انفرادی اور قومی زندگی کی اساس مستحکم کرنی چاہیے۔[۷]

آثار قدیمہ کے کھنڈرات دعوت دیتے ہیں غوروفکر کی۔اردگرد غور کرو۔ ان کھنڈرات پر غور کرو جہاں کبھی لوگ بستے تھے مگر اب صرف عبرت کا نشان رہ گئے ہیں لوگوں کو جو غور و فکر کرتے ہیں کہ انسان کو دنیا میں دوائم صرف اس وقت تک ملتا ہے جب تک وہ اچھائی کا ساتھ دیتے ہیں اور اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے ہیں۔

اور ان لوگوں میں جن کو ہم نے پیدا کیا ایک جماعت ہے کہ راہ بتلاتے ہیں سچی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ہم انکو آہستہ آہستہ پکڑینگے ایسی جگہ سے جہاں سے ان کو خبر بھی نہ ہو گی اور میں ان کو ڈھیل دونگا بیشک میرا داؤ پکا ہے۔[۸]

ہر نامور شخصیت کا ایک نقطہ امتیاز ہوتا ہے جیسے ڈارون (Darwin) کا نقطہ امتیاز ان کی Evolution Theory، اسی طرح نیوٹن Theory of Relivity کی وجہ سے ان کی پہچان ہے سر ڈاکٹر محمد اقبال کو جو دوسرے مفکرین میں ممتاز مقام دیتی ہے وہ ان کا ''خودی'' کا عظیم تصور ہے۔

خودی کی عالمانہ تشریح اور فلسفیانہ توضیح خواہ کچھ بھی ہو اس کا سیدھا سادہ مفہوم خود داری اور خود اعتمادی ہے۔ اقبال کا فلسفہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرے اپنی حقیقت سے واقف ہو جائے تو اس کے اندر ترقی کرنے اور بڑھ کر ایک بے پناہ قوت بن

جانے کے غیر محدود امکانات موجود ہیں۔۹

اے ایمان والو اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہ گار خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جا نہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو اپنے کئے پر لگے پچھتانے۔

علامہ اقبال کو اس بات کا یقین ہے کہ ابن خلدون نے اپنی کتاب کی تمہید لکھتے ہوئے قرآن سے ضروری رہنمائی حاصل کی ہو گی۔ کیونکہ بہت سی باتیں جو ابنِ خلدون نے اپنی مشہور کتاب مقدمہ میں لکھی ہیں اس میں قرآن میں بیان کردہ قوموں کے عروج و زوال سے مماثلت ہے۔

ہو چکے تم سے پہلے واقعات سو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا

اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان لوگوں میں

اور ہر فرقے کے واسطے ایک وعدہ ہے

اور بعضے گنوار ایسے ہیں کہ شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تم پر زمانہ کی گردش کا ان پر اتر آئے گردش بری اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تاریخ علامہ اقبال کے نزدیک صرف حالات و واقعات نام ہے جو ازل سے ابد کی طرف مائل بہ سفر ہے۔ بقول علامہ اقبال تاریخ اپنے آپ کو دہراتی نہیں بلکہ ہر دم تازہ اور جواں رہتی ہے۔ اس میں نت نئے اعمال کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اقبال لکھتے ہیں کہ ابن خلدون کا نظریہ تاریخ قرآن کی تعلیمات کا حوالہ دیتا ہے۔ کہ سب دن اللہ کے ہیں اور یہ تاریخ کی تعلیم حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے قرآن تاریخ کے واقعات کا حوالہ دیتا ہے کہ بہت سی تہذیبیں نے جنم لیا ان کی مشترکہ خصائل کی بدولت عروج اور ترقی ہوتی اور ان کے مشترکہ بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اس کے لیے قیامت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ اس کا فیصلہ قدرت یہیں دنیا میں لوگوں کے سامنے کر دیتی ہے قرآن بار بار اس بات کو دہراتا ہے کہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

علامہ اقبال تاریخ کی معنویت، عمرانی مسائل، اقتصادی عوامل، اخلاقی اقدار اور فنونِ لطیفہ کے فکری امتزاج سے مرتب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے افکار میں تاریخ کی اہمیت، زمانے کے تغیر و تبدل سے ہی وابستہ نہیں ہوتی بلکہ یہ تو معاشرہ کے بین موجود نظام فکر و عمل سے وابستہ ہوتی ہے۔ جب وہ تاریخ کے مطالعہ پر زور دیتے ہیں تو ان کا مقصد اور مدعا محض بادشاہوں کے احوال اور جنگوں کے واقعات کا تجربہ ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی وساطت سے قومی زندگی کے شعور کی ترویج اور فرد کی خودی کی تکمیل کے خواہاں ہوتے ہیں۔[۱۱]

ڈاکٹر وحید قریشی نے یوں بیان کیا ہے کہ ''اعلی مقاصد کے حصول کے لیے دیگر علوم کی طرح وہ اقبال تاریخ کو بھی خاص سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں مختلف ممالک کی تاریخ میں وہ قوموں کی عروج و زوال کے اسباب تلاش کرتے ہیں۔اور فرد کو معاشرے کے پس منظر میں دیکھتے ہیں۔ معیاری معاشرے کا ایک خاص ڈھانچہ ان کے ذہن میں ہے تاریخ کا مطالعہ وہ اسی کے حوالے سے کرتے ہیں مختلف تحریکات کے مطالعے میں وہ فرد کو بھی مناسب اہمیت دیتے ہیں اور تاریخ عوامل پر فرد جس حد تک اثر انداز ہو سکتا ہے اس کی تلاش وجستجو بھی کرتے ہیں۔

## ٹائم اور سپیس

علامہ اقبال کے نزدیک تصور وقت کو سمجھے بغیر تاریخ سمجھ نہیں آتی۔ حکومتوں کے آنے جانے، رات اور دن کے سلسلوں کی تدوین۔ تاریخ نہیں ہے۔ تاریخ اسی لمحے کا نام ہے جو لمحہ خود تاریخ بن جائے۔ دراصل یہی وہ لمحہ ہے جب وقت کو شکست ہو جاتی ہے۔

اسلامی تاریخ میں کربلا بھی وقت کو شکست دینے کا ایک غیر معمولی اور نمایاں واقعہ ہے۔ کہ جس کے نتیجے میں امام عالی مقام شہید ہو گئے مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا تھا کہ:

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اس طرح اقبال اس لمحے کو تاریخ سمجھتے ہیں جب ٹیپو سلطان نے کہا تھا کہ گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔

اقبال اپنی نظم میں انسان کا صاحب آرزو ہونا نہایت بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی ایک دعائیہ نظم میں وہ مسلمان قوم کے لیے دنیوی جاہ و جلال یا اخری خیر و فلاح مانگنے کے بجائے اس کے لیے زندہ تمنا کی دعا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ان کی یہ دعا قبول ہوگئی تو دنیا و آخرت کی باقی تمام نعمتیں اس کے قدرتی نتائج کے طور پر ان کو لازماً حاصل ہو جائیں گی چنانچہ وہ اپنے دعا کا *بانگ درا* میں یوں آغاز کرتے ہیں۔

یا رب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

اس شعر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک زندہ تمنا انسانی زندگی میں کیا مقام رکھتی ہے۔ تمنا قلب کو گرماتی اور روح کو تڑپاتی ہے اور یہی گرمی اور تڑپ ہماری تمام کامرانیوں کی ضمانت ہے۔

## واقعہ نویس

قرآن نے بقول اقبال بنیادی اصول واضح کر دیے ہیں کہ واقعہ نویس کا کردار اور شہرت پرکھ لیں۔ اگر وہ سچا اور شریف شخص ہے تو اس کی بات کو مانے اور اہمیت دیں۔ اگر واقعہ نویس کی شہرت منفی اوصاف کی ہو تو اس کی بات کو اہمیت نہ دیں۔[۱۳]

## مؤرخ

مؤرخ کو واقعہ نویس سے بالکل مختلف قرار دیتے ہیں۔ ایک واقعہ نویس یا سوانح نگار بشرطیکہ وہ اپنے فرائض کو صحیح طور پر سمجھتا ہے، واقعات کو بالترتیب لکھتا ہے اور آگے پیچھے کے اسباب و نتائج سے بھی بحث کرتا ہے لیکن مورخ کے فرائض مشکل ترین ہیں وہ واقعہ

کی یا شخص معلوم کی اہمیت کے لحاظ سے زمانۂ ما قبل و زمانہ ما بعد کو دور تک چھان ڈالتا ہے اور چونکہ مشکل سے دنیا میں کسی سبب کو سبب اولین کہا جا سکتا ہے اس لیے اس کے مطالعہ کی وسعت ہمیشہ بڑھتی جاتی ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا ہر ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

علامہ اقبال، بانگ درا

ابن خلدون قوموں کے زوال کے محرکات میں سب سے پہلے تعلیم سے دوری، سماجی و تمدنی میں انحطاط کو گردانتا ہے۔

ابن خلدون نے تو واضح کیا ہے کہ قوموں کے عروج و زوال میں بنیادی قوانین تاریخ کا عمل دخل ہے۔ اگر قوم کے افراد اچھے خصائل کے حامل ہونگے جیسے علم و اخلاقی میدان میں اعلیٰ درجے پر فائز ہو گی تو وہ اس دنیا کے گورکھ دھندے میں زندہ و پائندہ رہے گی۔ اگر وہ اخلاقی اور علمی میدان میں گراوٹ کا شکار ہو گی تو پھر اس کا مٹ جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ انسانی تخلیق کا سارا مقصد انسان کا اپنے آپ کو بہتر سے بہتر بنانا ہے۔[۱۴]

## علامہ اقبال تاریخ اور انکی پیش گوئیاں

علامہ اقبال مسلمانوں کی تاریخ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب مسلمان پر مشکل وقت آتا ہے تو اسلام نے مسلمانوں تو بچایا ہے اسے مشکل سے نکالا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا بلکہ اسلام نے مسلمانوں کو بچایا ہے۔ اقبال کا کہنا یہ تھا کہ اسلام آپ کے اندر ذہنی تبدیلی لاتا ہے یہ آپ کو منطق کو سمجھنے اور اس کو Experience یعنی تجربہ کرنے کا ایک سلسلہ ہے۔

قرآن بقول اقبال کے آپ کو مسلسل سوچنے سمجھنے اور اس کے اثرات زندگی میں تجربہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ زندگی مسلسل تغیرات کی کہانی ہے دن، رات کا ربط موسم کی تبدیلی، انسان مسلسل تبدیلی کے زیر اثر رہتا ہے۔ بچپن، جوانی، بڑھاپہ اور موت۔ ان تمام

عوامل میں انسان کو اپنا مقام پہچاننا ہے۔ اقبال تاریخ کے حوالوں سے قرآن کے ماخذ کے ذریعہ مسلمانوں کی رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔[۱۵]

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے ہندوستان والوں
تمہاری داستان بھی نہ ہو گی پھر داستانوں میں

قرآن کا بڑا حصہ قصے کہانیوں پر مبنی ہے جس کا مقصد ہر دور کے لوگوں کی رہنمائی ہے۔ کہ اگر تم نے غلط طور و اطوار اپنائے تو تم فلانی فلانی قوم کی طرح نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم اللہ کے ذکر اور فکر کو اپناؤ گے تو تمہارے لیے علم وفضل کے دروازے کھلتے جائیں گے تم دنیا میں بھی سرخرو ہو گے اور آخرت میں بھی تمہارا اعلی مقام ہو گا۔

علامہ اقبال کی بصیرتوں نے حصول پاکستان اور مسلمانوں ان کے نصب العین تک پہنچنے میں ایک طرح سے پیغمبرانہ رہنمائی کی تو اس طرح اس براعظم میں، مسلمان اپنے علیحدہ ملک بنانے میں کامیاب ہوئے۔ علامہ اقبال کی زندگی اور ان کے کسی کام کو کسی ایک مضمون میں سمونا ایک مشکل کام ہے۔ اس مضمون میں علامہ اقبال کی تاریخ متن کے حوالے سے سیاسی اورتحریک پاکستان سے زندگی کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔[۱۶]

فطرت کی ہر نشانی ہم کو بتا رہی ہے
کچھ چیز آ رہی ہے کچھ چیز جا رہی ہے
عاقل ہے وہ جو حال و ماضی کی روشنی میں
یہ جان لے کہ کیا شے آئندہ آ رہی ہے

یہ کہ بشر کی طاقت نہیں کہ وہ خدا سے ہمکلام ہو۔ مگر اس صورت میں اس پر وحی نازل ہو یا پردہ سے ہمکلام ہو یا پھر کوئی فرشتہ اس پر نازل ہو (قرآن مجید ۴۴/۵۱)

حضرت یوسف پر جو وہی نازل ہونے کا طریقہ تھا وہ مختلف تھا۔ حضرت موسیٰ پر نزول وحی کا ڈھنگ اور تھا نبی آخرالزمانﷺ پر ایک طریقہ تو وہ تھا جس خصوصیت میں وہ دوسرے انبیاء کے شریک وسہیم ہیں لیکن ہر حیثیت خاتم نبوت جو ذریعہ تھا وہ سب سے نرالا تھا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نگاہ مرد مومن تو پھر بھی بڑی چیز ہے جو افسوس کے آج مقصود ہے میرا تو خیال ہے کہ قوم کیا ایک فرد واحد کا عزم خالص ''منجم کی تقویم فردا کو باطل'' کر دینے کے لیے کافی ہے۔

آوازۂ حق آتا ہے کب اور کدھر سے
مکین ولکم مانده دریں کشمکش اند

وحی کیا ہے وہ کشف راز ہے جل دل میں انقاء ہوتا ہے۔ تو اقبال کی تعریف سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔

وہ شعر کہ پیام حیات ابدی ہے
یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگِ سرافیل

جبریلؑ کا منصف بیداری رو اور اسرافیل نشاۃ ثانیہ کے مجمی ہیں۔

اقبال کا نظریہ تمام تر نص قرآنی سے متاثر ہے اور وہ آیت کریمہ بھی پیش کر دی گئی ہے۔

علامہ محمد اقبال نے اپنی شعوری زندگی کا بیشتر حصہ تحریک پاکستان کی فکری اور عملی رہنمائی میں بسر کیا۔ مسلمان کئی سالوں تک سوچ بچار کے بعد برصغیر میں اپنی حیثیت کو مستحکم کرنے اور اپنا جداگانہ وجود منوانے کے لیے دراصل ۱۹۰۶ء میں زیادہ متوجہ ہوئے کیونکہ ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال کی تکمیل کی وجہ سے سخت احتجاج برپا کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں مسلمان دسمبر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی تنظیم کا پلیٹ فارم تشکیل دینے پر آمادہ ہوئے۔

اقبال ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک تین سال کے لیے اعلیٰ تعلیم کی غرض سے یورپ میں مقیم رہے۔ ۱۹۰۸ء میں البتہ جب لندن میں سید امیر علی مرحوم (م ۱۹۶۸ء) کے اہتمام سے مسلم لیگ کی ایک شاخ قائم کی گئی تو اقبال اس کے ایک رکن بن گئے اور ان کی یہ رکنیت ممتاز اور دائمی رہی۔ کیونکہ وہ پھر زندگی کے آخری لمحات تک مسلم لیگ کے رکن ہی رہے۔[19]

اقبال کی فکر اور شاعری کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر دیتے ہیں پہلا دور وہ ہے جو یورپ جانے سے پہلے کا ہے دوسرا دور یورپ میں قیام کا اور تیسرا دور جب یورپ سے واپس وطن لوٹ کر آئے۔ ان تینوں ادوار میں ہمیں اقبال کی سوچ اور فکر میں واضح فرق نظر آیا۔ پہلے دور میں اقبال نیشنلزم کی باتیں کرتے ہیں۔ ہندوستان دور میں اقبال نیشنلزم کی باتیں کرتے ہیں۔ اب نیشنلزم سے قومیت کی طرف رخ ہو گیا۔ مسلمان قوم، ہندوستان میں مسلمان قوم کن مسائل سے دوچار ہے۔ اس کا کیسے مداوا ہو۔ وہ یورپ کی مادہ پرستی سے بھی خائف تھے اور ان کا رجحان روحانیت کی طرف مبذول ہوا۔[۲۰]

بقول اقبال قرآن نے تاریخ کو سائنس کا درجہ دیا کہ جو بات لکھوں وہ پہلے تحقیق کر لو۔

O believer: If any bad man comes to you with a report, clear it up at once. (49:6)

ابن اسحاق طبری، مسعودی نے بہت تحقیق اور کوشش سے نبی پاکؐ کی حیات اور واقعات کا مواد اکٹھا کیا اور پھر اس کو ترتیب دیا۔ قرآن نے وقت اور واقعات کے ظہور دونوں پر بہت زور دیا ہے۔ جب کوئی واقع ہوا اس وقت کے حالات و واقعات کا احاطہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے اس واقع کے ظہور پذیر ہونے میں۔[۲۱]

## نتیجہ بحث

اقبال ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے مختلف علوم کی ترویج کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں جیسے علم الاعداد و معاشیات، فلسفہ، انگریزی لٹریچر اور شعر و شاعری سے بھی بدرجہ اتم شغف تھا۔

علامہ اقبال کا درس و تدریس سے تعلق تھا۔ لہٰذا وہ مختلف علوم میں جہاں دلچسپی لیتے وہاں تدریسی کورس بھی ترتیب بھی دیتے تھے اور جس شخص کو فلسفہ سے لگاؤ ہو تاریخ خود بخود اس کے علمی ذوق کا حصہ بن جاتی ہے۔ اقبال نے جہاں ایک درسی کتاب ''تاریخ ہند''

ترتیب دی وہی اپنی شاعر و شاعری اور خطبات میں تاریخ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا۔

ویسے تو تاریخ کی اہمیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں قرآن شریف اور دوسری آسمانی کتابیں تاریخی واقعات سے مزین ہیں۔ اقبال نے تاریخ کا تصور اور اس کی اہمیت قرآنی تعلیمات سے اخذ کیں اور اس پر بھرپور طریقے سے انسانی زندگی میں اہمیت کو اجاگر کیا اور ایک اہم نکتے کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ ہر بات کو اس کے پس منظر کے ساتھ منسلک کر کے سمجھے۔ قرآن کی زبان میں اسے تفسیر کہتے ہیں اور عام زبان میں سیاق و سباق کی اہمیت پر زور دیا۔ دوسری اہم بات کہ ہر ایک کی بات پر یقین نہ کیا جائے۔ یقین صرف اس پر کیا جائے جو سچ بولنے اور لکھنے شہرت رکھتا ہو۔ جھوٹے انسان کی بات کو آگے ہرگز نہ پھیلائیں اس طرح معاشرہ میں ابتری آتی ہے۔

# حوالہ جات


1- M. Moizuddin, *Iqbal Concept of History*, Google.com.

۲۔ ہارون الرشید تبسم، *اقبالیات کا انسائیکلوپیڈیا*، خورشید اقبال، لاہور، طیب شمشاد پرنٹرز، ۲۰۱۴ء،ص۳۰۶، راشد حمید، *اقبال کا تصور تاریخ*،ص ص ۱۸۹-۱۹۰۔

۳۔ راشد حمید، اقبال کا تصور تاریخ، ص۱۹-۲۰۔

۴۔ ایضاً،۲۰۔

۵۔ راشد حمید،۲۱۔

۶۔ مبارک علی، *تاریخ شناسی*، لاہور، فکشن ہاؤس،۱۹۹۳،ص۱۲۵۔

۷۔ ماریہ علی، قرآن کا پرتو، *علامہ اقبال اور امام خمینی کی شاعری میں*، پیغامِ آشنا، جلد ۱۹، شمارہ ۷۳، سال۲۰۱۸ء، اپریل تا جون، سفارت اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد،ص۶۱

۸۔ شبیر احمد عثمانی، قرآن، ۷:۱۸۱-۱۸۳۔ علامہ محمد اقبال، Recontructions of Religious Toughts in Islam, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, Institute of Islamic Culture, ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۰۔

۹۔ محمد عثمان، *اقبال کا فلسفہ خودی*، لاہور، مکتبہ جدید، ۱۹۷۱ء،ص۹۔

۱۰۔ ایم سعید شیخ (تدوین)، علامہ محمد اقبال، بحوالہ سابقہ، ص۱۱۰۔

۱۱۔ وحید قریشی، اساسیات اقبال،ص ص ۲۰۱-۲۰۵۔

۱۳۔ ایم سعید شیخ، بحوالہ سابقہ،ص۱۱۱۔

14- M. Moizuddin, *Iqbal Concept of History*, Google.com.

۱۵۔ ایم سعید شیخ (تدوین)، علامہ محمد اقبال، بحوالہ سابقہ، ص۱۲۰۔

۱۶۔ محمد علی چراغ، اکابرین پاکستان، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۰ء،ص۴۹۳۔

۱۷۔ ہاشمی، *اقبال کی پیشگوئیاں*، لاہور، کتاب منزل، ۱۹۶۶،ص۱۸۔

۱۸۔ ہاشمی، *اقبال کی پیشگوئیاں*، لاہور، کتاب منزل، ۱۹۶۶،ص۳۸۔

۱۹۔ محمد ریاض، *اقبال اور تصورِ پاکستان*، مجلّہ تاریخ و ثقافت پاکستان، اکتوبر۱۹۹۴ء، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و پاکستان، اسلام آباد،ص۱۰۵۔

۲۰۔ وحید الزمان، ٹوورڈز پاکستان، لاہور، پبلشرز یونیٹڈ، لمٹیڈ، ۱۹۷۸ء،ص ص ۱۶۵-۱۲۶۔

21- Saeed Shaikh, *Allama Muhammad Iqbal, The Construction of Religious Thought, Pakistan Institute of Culture History, 1989, p. 112.*